

اقبال اور تحقیقات اسلامی

محمد حامد

علامہ اقبالؒ بیسویں صدی میں عالم اسلام کی ان چند منفرد شخصیات میں سے تھے جو اس بات کے شدت سے قائل تھے کہ اقبال نے اسلام کے لئے تحقیقات اسلامیہ کے بغیر چارہ کار نہیں۔ انہوں نے نہ صرف یہ کہ خود اس میدان میں کام کیا بلکہ اس مقصد کے لئے جس قدر جدوجہد ممکن تھی کی۔ علامہ نے آج سے ایک صدی قبل جب آنکھ کھولی تو عالم اسلام کا بیشتر حصہ فرنگی استعمار تلے دب چکا تھا۔ یہی نہیں انہیں اپنے دور ہی میں خلافت عثمانیہ کے ختم ہونے اور عرب دنیا کے ایک بڑے حصے کو مغربی طاقتوں کے پنجے میں گرفتار دیکھنا پڑا۔ اقبال نے اپنی زندگی میں عالم اسلام کو سیاسی اور معاشی اعتبار سے جس طرح محکم و پائمال دیکھا۔ اس کی وجہ سے ان کے اضطراب کی جھلکیاں ان کے کلام میں جگہ جگہ نظر آتی ہیں۔ انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کی ابتداء میں مسلم ممالک کی محکومی اور بدحالی کو دیکھ کر وہ طرح کے رد عمل پیدا ہوئے۔ ایک طرف کچھ زعماء مغرب کی اندھی تقلید اور سرسبزین فرنگ سے آئی ہوئی ہر چیز کو آئیہ رحمت قرار دینے پر مصرعہ اور اپنے ہم وطنوں کے گلے میں طوق غلامی کو مضبوط کرنے ہی میں عافیت و فلاح کو مضمحل سمجھتے تھے، یہ گروہ مغرب کی تکنیکی اور سائنسی ترقی ہی سے تنہیں دیکھ کر علوم و فنون بلکہ نظریات و فلسفہ کے میدان میں بھی ان سے مرعوب تھا۔ ظاہری رسوم و رواج، کھانے پینے، اٹھنے بیٹھنے، لباس غرض ہر اعتبار سے مغرب کی برتری کا قائل تھا اور اپنی قوم کو مغرب کے رنگ میں رنگ دینے کیلئے مضطرب اور بے چین۔ ان میں سے کچھ لوگ اسلام اور مسلمانوں سے خیر خواہی کو جزو ایمان سمجھتے تھے لیکن یوں کہ اسلام اور مغربی استعمار کا ایک نیا آمیزہ تیار ہو جائے اینگلو محمدن کی اصطلاح اس وقت عجب سی لگتی ہے لیکن ان کی فکری معراج یہ تھی کہ مسلمان کو کسی طرح اینگلو محمدن بنا دیا جائے اور بس۔

اس میں شک نہیں کہ اقبال نے بھی اسی دور میں آنکھ کھولی لیکن مسلمانوں کے زوال اور سیاسی محکومیت کو دیکھ کر انہوں نے ظاہری اسباب و علل کی بجائے اصل اسباب کی طرف توجہ دی۔ وہ سطح بین ذہنی بلکہ معاملات کو گہری نظر سے دیکھنے کے عادی تھے۔ قرآن حکیم عادیث اور اپنے علوم و فنون پر گہری نظر رکھنے کی وجہ سے ان کی سوچ کا انداز مختلف تھا۔ پھر یہی نہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک دل بانہر عطا کیا تھا خود ان کی دعا بھی یہی تھی ۛ

یارب درون سینہ دل بانہر بدہ
در بارہ نشہ را نگرم آل نظر بدہ ۛ

یہی وجہ تھی کہ وہ فکری لغزشوں سے بچ نکلے جن میں اسلام اور مسلمانوں کے نادان دوست مبتلا تھے اقبال نے فکر مغرب اور مغربی معاشرے کو بہت قریب سے دیکھا تھا۔ وہ مغرب کی اسلام دشمنی اللہ فکری بے مائیگی دونوں سے اچھی طرح آگاہ تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اگر مسلم ممالک کسی طرح سیاسی غلبے سے نجات حاصل کر لیں اور فکری اعتبار سے اپنے علوم و فنون کے احیاء کا فریضہ انجام دیں تو وہ ایک بار پھر دنیا کی امامت (Leadership) کے منصب پر فائز ہو سکتے تھے۔ تاہم وہ یہ اچھی طرح جانتے تھے کہ محض سیاسی غلامی سے نجات کافی نہیں، مغرب سے درآمد شدہ نظریات و افکار کی غلامی سے نجات اس سے بھی کہیں زیادہ ضروری ہے۔ انہیں اس بات کا یقین تھا کہ جب کہیں مسلمانوں پر کوئی نازک وقت آیا، اسلام ہی مسلمانوں کی نجات کا ذریعہ بنا ہے۔ وہ چاہتے تھے کہ اسلام کے حیات بخش قوانین پر عملی کے ذریعے غلامی سے نجات حاصل کی جائے۔ انہوں نے کہا ۛ

سنا ہے میں نے غلامی سے اُمتوں کی نجات

خود ہی کی پرورش و لذت نمود میں ہے ۛ

اگر مکتب اسلامیہ کے عروج و زوال پر ایک نظر ڈالی جائے تو پتہ چلے گا کہ سیاسی و علمی قیادت کا چولی دامن کا ساتھ رہا ہے۔ جب مسلمان علمی فتوحات کے میدان میں دنیا کی امامت کر رہے تھے وہاں سیاسی و فوجی کامیابیاں بھی ان کے قدم چوم رہی تھیں۔ جب تحقیق کے میدان میں مغرب نے سبقت کی تو ساتھ ہی اس کا سیاسی غلبہ بھی ہم رکاب ہوا۔ اقبال کے گہرے تاریخی شعور سے یہ بات ادھمل نہ ہو سکتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے جہاں تحقیق کے میدان میں خود سبقت کی وہاں اپنے معاصرین کی توجہ

بھی اس طرف دلائی، انہوں نے سرزمین ہند کے مسلمانوں کے میلانات کو پیش نظر رکھتے ہوئے شاعری کی زبان کو اپنا ذریعہ اظہار بنایا۔ ان کے نزدیک شاعری کی حیثیت اس سے زیادہ نہ تھی کہ انہوں نے اپنی زندگی میں مسلمانوں کی سیاحتوں کے لئے جو کچھ سوچا سمجھا وہ اس ذریعے سے لوگوں تک پہنچا سکیں وہ مقصود بالذات شاعری کو بت پرستی اور بت گری قرار دیتے تھے کہتے ہیں :-

شاعری زینِ مثنوی مقصود نیست

بت پرستی بت گری مقصود نیست ۱۷

ایک اور جگہ فرماتے :-

نہ بینی خیر از آن مرد فرد دست

کہ بر من تہمتِ شعر و سخن بست ۱۸

اقبال اس اعتبار سے بڑھتی ہوئی نہیں بلکہ پوری دنیا میں تحقیق کے میدان میں ایک منفرد حیثیت رکھتے ہیں کہ انہوں نے اپنے تحقیقی نتائج کو نہ صرف یہ کہ شعر کی زبان میں بیان کیا بلکہ اس خوب صورتی کے ساتھ کہ ظاہر بین دھوکا کھا گئے اور خود اقبال کو شکایت کرنا پڑی کہ :-

مرا یاراں غزل خوانے شمر دند

اقبال کے کلام پر نظر ڈالیے اس کی گہرائی اور وسعت جس کی تشریح دائرۃ المعارف (Encyclopaedia) کی محتاج ہے، مضامین کا یہ پناہ انتخاب جغرافیہ، نباتات، حیوانیات سے لے کر فلسفہ، تاریخ، شعور، تاریخ کے رموز، اقتصاد، مابعد الطبیعیات، منطق اور کیمیا تک سب کچھ آپ کو یوں ملے گا کہ آپ ایک نظر دیکھ کر گزر جائیں تو آپ کو احساس تک نہ ہوگا لیکن اگر غور و فکر کے دریچے وا کر کے اقبال کے رموز تک پہنچنے کی کوشش کریں تو پتہ چلے گا کہ کسی اونچے درجے کی دانش گاہ یا ادارہ تحقیقات میں داخل ہو گئے ہیں۔

پھر اقبال کے یہاں مضامین کے اس قدر تنوع کے باوجود ایک بنیادی فکر کا سراغ ملتا ہے جس کا منبع قرآن حکیم کے سوا کچھ نہیں خود اقبال اپنے فکر کی بنیاد قرآن حکیم کو قرار دیتے ہیں۔ انہیں شاید اپنی زندگی ہی میں احساس ہو گیا تھا کہ لوگ ان کی سوچ میں نشیے اور برگساں کو تلاش کرتے کی کوشش کریں گے۔ انہوں نے جس وضاحت اور شد و مد کے ساتھ یہ کہا اس کے بعد اس نوع کی ژولیدہ فکری

کہ کہیں مارکس کی معاشی تعلیمات اور نیشنل کاسراغ لگایا جائے اور کہیں برگساں اور کانٹ کے افکار کو اقبال کے بنیاد بتایا جائے، انتہا درجے کی علمی بددیانتی ہوگی۔ وہ اپنی تحقیق کے ماتخذ کو بڑے اچھوتے انداز میں بیان کرتے ہوئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یوں عرض گزار ہوئے ہیں:

گر دلم آئینہ بے جوہر است
در بحر نم غیر قرآن مضمراست
پردہ ناموس فکر چاک کن
این خیاباں راز خاوم پاک کن
روز عشر خوار و رسوا کن مرا
بے نصیب از بوسہ پاک کن مرا
گردر اسرار قرآن سفته ام
بامسلماناں اگر حق گفتہ ام
اے کہ از احسان تو ناکس کس است

یک دعایت مزد گفتارم بس است ۷

اگر میرادل آئینہ بے جوہر ہے اور اگر میرے اشعار میں قرآن کے علاوہ دوسری چیزیں مضمر ہیں تو میرے افکار کی ناموس کا پردہ چاک کر دے اور اس گلشن کو مجھ جیسے کانٹے سے پاک کر دے۔ نیت کے دن مجھے خوار و رسوا کر اور اپنے بوسہ پا سے محروم کر دے۔ لیکن اگر میں نے اسرار قرآن بیان کئے ہیں اور مسلمانوں تک حق بات پہنچائی ہے تو اے حضور جن کے احسان نے ناکسوں کو قوت بخشی ہے آپ کی ایک دعا ہی میرے لئے بہت صلہ ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اقبال کو جو عشق تھا اس کے پیش نظر یہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ اقبال اپنے حق میں اتنی بڑی بددعا کا حوصلہ کر سکتے تھے۔ یہ بات خود ان کے کلام سے بالکل واضح ہے کہ ان کے کلام کا سرچشمہ صرف قرآن پاک تھا۔

اقبال نے شعر کی زبان میں قرآن حکیم کی جو تشریحات کیں ان کے علاوہ وہ نثر میں اپنے افکار قلبیہ کرنے کے متمنی تھے۔ وہ اپنے دوست راس مسعود کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:

”مجھے کچھ عرصہ پہلے تو اس خیال سے مسرت تھی..... کہ میں قرآن کریم پر عبید حاضر کے افکار کی روشنی میں اپنے وہ نوٹ تیار کر لیتا جو عرصہ سے میرے زیر غور ہیں۔ لیکن اب تو نہ معلوم کیوں ایسا محسوس کرتا ہوں کہ میرا یہ خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکے گا۔ اگر مجھے حیات مستعار کی بقید گھڑیاں وقف کر دینے کا سامان میسر آجائے تو میں سمجھتا ہوں قرآن کریم کے ان نوٹوں سے بہتر میں کوئی پیشکش مسلمانانِ عالم کو نہیں کر سکتا۔ بہر حال دیدہ باید۔ ہر امر اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے۔ اگر اس دور میں اسلام کی اس خدمت کا شرف میرے لئے مقدر ہو چکا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی تکمیل کے لئے ضروری ذرائع بہم پہنچا دے گا۔“

افسوس کہ اقبال اس کام کو پایہ تکمیل تک نہ پہنچا سکے۔ انہوں نے اس کتاب کے لئے مواد اکٹھا کر لیا تھا۔ اس کا خاکہ (Synopsis) بھی بنالیا تھا لیکن مناسب معاون میسر نہ آنے کی وجہ سے یہ انتہائی اہم منصوبہ دھڑے کا دھرا رہ گیا۔ اس خاکے کے کچھ عنوانات یہ تھے جن کی حیثیت اشارات کی سی ہے۔

۱۔ اسلام کا مطالعہ ضروری ہے۔

۱۱۔ اس میں قوت اور استعداد حیات ہے۔

۱۲۔ اسلام اور جدید دنیا اور سلطنتِ برطانیہ۔

ب۔ اسلام اور مملکت (Empire) اسلام پر عرب مملکت کا اثر۔

ج۔ اسلام کے جدید طالب علم کی مشکلات۔

و۔ اسلام کیا ہے؟

۴۔ اسلام مذہب سے بہت وسیع مفہوم رکھتا ہے۔

دوسرا خطبہ :- اسلامی قانون۔

و۔ مذہب - رہبانیت، مقررانیت، خلقت، مسجد کا تصور

(۲) کیا یہ ہستی غائب کے خوف کا نام ہے۔

(۳) کیا یہ مافوق الحواس ہستی سے تعلق خاطر ہے۔

(۴) کیا یہ کوئی باطنی تعلیم ہے جو سینہ بسینہ آگے چلتی ہے؟

(۵) مذہب (کالفظ) قرآن میں استعمال نہیں کیا گیا۔

ب۔ اسلام۔ تمام مذاہب (بن معنوں میں یہ لفظ قدیم زمانہ میں استعمال ہوتا رہا ہے) کے خلاف

احتجاج ہے۔

(۱) ختم نبوت۔

(۲) اسلام میں نجات کا تصور۔

(۳) کوئی متصرفانہ (باطنی) تعلیم نہیں۔

(۴) ایمان بالذ (غیب)۔

نوع انسانی سے نسلی تفریق مٹانا۔ اختلافنا التکلم وشعوباً۔ معاشی مساوات (قل العفو)

ج۔ کلیہ اور ریاست۔

د۔ اسلام اور عورت

۴۔ اسلام اور سرمایہ داری۔

و۔ دنیا کا علم ایک تحریک کی حیثیت سے۔ تاریخ۔ تعارف۔

یہ نوٹ جو کئی صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں اور جن میں جگہ جگہ قرآن حکیم کی مختلف آیات کے اشارات درج ہیں، ابھی تک اقبال کے تصورات کی روشنی میں زیادہ پھیلا کر نہیں لکھے گئے۔

علامہ نے ڈاکٹر نکسن کے نام ایک خط میں بھی اسی کتاب کے بارے میں یوں اشارہ کیا ہے:

”عہد جدید کا ایک مسلمان اہل علم جب ان مسائل کو مذہبی تجربات، اور افکار کی روشنی میں بیان کرتا ہے جن کا مبدا اور سرچشمہ قرآن مجید ہے۔ تو اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ جدید افکار کو قدیم لباس میں پیش کیا جا رہا ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ پرانے حقائق کو جدید افکار کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔ بد قسمتی سے اہل مغرب اسلامی فلسفے کی تعلیم سے نا آشنا بعض میں۔ اے کاش مجھے اس قدر فرصت ہوتی کہ میں اس موضوع پر ایک مبسوط کتاب لکھ کر مغربی فلسفیوں کو اس حقیقت سے روشناس کر دیتا کہ دنیا کی مختلف قوموں کے فلسفیانہ خیالات ایک دوسرے سے

کس قدر مشابہ ہیں۔“

اقبال اسلامی فلسفہ ہی نہیں فقہ اسلامی کی مفصل تاریخ لکھی جانے کی ضرورت

بھی محسوس کرتے تھے۔ خود وہ بھی اس موضوع پر لکھنے کے متمنی تھے۔ مولینا سید سلیمان ندوی سے ان کے

تعلقات کی نوعیت کا اندازہ ان کے ان سترے سے زائد خطوط سے ہو سکتا ہے جو انہوں نے سید صاحب کی

خدمت میں ارمالی کرے۔ وہ اکٹھے افغانستان کے دہشتے اس سفر کی دلچسپ روداد سیرا افغانستان کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔ علامہ نے سید صاحب کو ہندوستان میں علوم اسلامیہ کی جوڑے شیر کے فرماؤ کے لقب سے یاد کیا تھا۔ وہ انہیں کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:-

"مخدومی السلام علیکم! اس وقت سخت ضرورت اس بات کی ہے کہ فقہ اسلامی کی ایک مفصل

تاریخ لکھی جائے۔ اس بحث پر مہر میں ایک چھوٹی سی کتاب شائع ہوئی تھی جو میری نظر سے گزری ہے مگر افسوس ہے کہ بہت مختصر ہے۔ اور جن مسائل پر بحث کی ضرورت ہے مصنف نے انہیں نظر انداز کر دیا ہے۔ اگر مولانا شبلیؒ زندہ ہوتے تو میں ان سے ایسی کتاب لکھنے کی درخواست کرتا، موجودہ صورت میں سوائے آپ کے اس کام کو کون کرے گا میں نے ایک رسالہ اجتہاد پر لکھا تھا مگر چونکہ میرا دل بعض امور کے متعلق خود مطمئن نہیں اس واسطے اس کو اب تک شائع نہیں کیا۔ آپ کو یاد ہو گا میں نے آپ سے بھی کئی امور کے متعلق استفسار کیا تھا۔ مسلمانوں پر اس وقت (دماغی اعتبار سے) وہی زمانہ آ رہا ہے جس کی ابتداء یورپ کی تاریخ میں لوٹر کے عہد سے ہوئی۔ مگر چونکہ اسلامی تحریک کی کوئی خاص شخصیت راہنما نہیں ہے۔ اس واسطے اس تحریک کا مستقبل خطرات سے خالی نہیں۔ نہ عامۃ المسلمین کو یہ معلوم ہے کہ اصلاح لوٹر نے مسیحیت کے لئے کیا کیا نتائج پیدا کئے۔ ہندوستان کی جمعیتہ العلماء کی توجیہ اس طرف

ضروری ہے آپ چونکہ اس جمعیت کے صدر ہیں اس واسطے آپ سے درخواست ہے کہ اس کام کو مستقل طور پر اپنے ہاتھ میں لیجئے۔ ندوہ کے دیگر ارکان یا فارغ التحصیل طلبہ کو بھی اپنے ساتھ ملائیے تاکہ اقوام اسلامیہ کو فقہ اسلامی کی اصل حقیقت معلوم ہو..... کیونکہ اس وقت دنیائے اسلام میں کوئی خاص مذہبی شخصیت نہیں جو طبائع کے اس انقلاب کو ٹھیک راستہ پر لگائے بغیر یہ کہ اس وقت مذہبی اعتبار سے دنیائے اسلام کو رہنمائی کی سخت ضرورت ہے، اور یہ میرا عقیدہ ہے کہ ہندوستان کے بعض علماء اس کام کو باحسن وجہ انجام دے سکتے ہیں، سیاسی اعتبار سے تو ہم باقی اقوام اسلامیہ کو کوئی ایسی مدد نہیں دے سکتے ہاں دماغی اعتبار سے ان کے لئے بہت کچھ کیا جا سکتا ہے۔"

علامہ کارمجان عربی زبان و ادب اور اسلامی علوم کے گہرے مطالعہ کی وجہ سے زیادہ ترقیم کی طرف تھا۔ وہ تجدّد پسند گروہ سے تعلق نہ رکھتے تھے جن کا تمام تر سرمایہ مغرب کے چند فلسفی ہوتے ہیں اور لیں۔ علامہ نے جہاں مغرب کے نظام فلسفہ کو اچھی طرح جانچا پر لکھا تھا وہاں ان کی نظر قرآن حکیم

اور دیگر اسلامی علوم پر بھی تھی اور چونکہ انہوں نے مغرب کو خود اچھی طرح دیکھا تھا اس لئے وہ معروفیت جو علامہ کے ہم عصروں میں عام طور پر پائی جاتی تھی، علامہ کی فکر اس سے بالکل پاک تھی یہی وجہ ہے کہ ان کا گہرا تعلق ان لوگوں سے تھا جو انتہائی متوازن سوچ اور صحیح الفکری کے حامل تھے۔ اکبر الہ آبادی اور مولانا سید سلیمان ندوی، سید مسعود عالم ندوی سے ان کے مکاتیب کا تبادلہ اور تعلق بھی اسی بات کا آغاز ہے کہ علامہ کی فکر کے سوتے اسلام ہی کے سرچشمے سے پھوٹے تھے اس میں مستشرقین کے گدلے پانی کی آمیزش نہ ہوئی تھی سید سلیمان ندویؒ کے نام ایک خط میں ندوہ اور علی گڑھ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

”میرے نزدیک اقوام کی زندگی میں قدیم، ایک ایسا ہی ضروری عنصر ہے جیسا کہ جدید بلکہ میلاد ذاتی میلان قدیم کی طرف ہے۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ اسلامی ممالک میں عوام اور تعلیم یافتہ لوگ دونوں طبقے علوم اسلامیہ سے بے خبر ہیں۔ اس بے خبری سے آپ کی اصطلاح میں یورپ کے معنوی استیلاء کا اندیشہ ہے جس کا سدباب ضروری ہے۔ میرا ایک مدت سے عقیدہ ہے کہ ہندوستان کے مسلمان جو سیاسی اعتبار سے دیگر ممالک اسلامیہ کی کوئی مدد نہیں کر سکتے۔ دماغی اعتبار سے ان کی بہت کچھ مدد کر سکتے ہیں۔ کیا عجیب ہے کہ اسلامی ہند کی آئندہ نسلوں کی نگاہوں میں ندوہ علی گڑھ سے زیادہ کارآمد ثابت ہو“ ۳

علامہ نوجوان محققین کی رہنمائی اور حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ بزمیگر کے گوشے گوشے سے متلاشیان علم ان کی خدمت میں سوالات بھیجے وہ ان کا جواب لکھتے۔ یہی نہیں بلکہ وہ ان کے ذاتی مسائل کے حل تک میں دلچسپی لیتے۔ مغرب کی یونیورسٹیوں میں داخلہ لینا ان دنوں تو عام سی بات ہے لیکن علامہ کے دور میں اسے خاص اہمیت دی جاتی تھی اور لوگ اسے باعث فخر سمجھتے تھے۔ حافظ محمد فضل الرحمن انصاری مرحوم اگرچہ بنیادی طور پر اسلامی تحقیقات کا کام کرنا چاہتے تھے لیکن ان کی خواہش تھی کہ وہ مغربی یونیورسٹیوں میں سے کسی ایک میں داخلہ لے لیں ان کے نام ایک خط میں انہوں نے مغربی مستشرقین کے مقاصد کار کی حقیقت سے پردہ اٹھایا ہے۔ مغربی ممالک میں اسلامی تحقیق کے نام سے جو کارروائیاں جاری ہیں ان کا خاکہ بڑا حصہ اسلام اور مسلمانوں پر تحقیق کرنے کی بجائے ان میں تفرقہ اندازی پیدا کرنے اور ایمانیات و اعتقادات کو کمزور کرنے کی کوششوں پر مشتمل ہے صلیبی جنگوں کے پس پشت جو جذبہ کار فرما تھا وہی جذبہ ان نام نہاد محققین کے رگ و پے میں پایا جاتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ان کارروائیوں کو چھپانے

کے لئے خالص علمی نوع کے کام بھی انجام دیئے جاتے ہیں لیکن اصل حقیقت سے صرف نظر نہیں کیا جاسکتا۔ اقبال کی خوب لکھتے ہیں:

”جہاں تک اسلامی ریسرچ کا تعلق ہے، فرانس، برمنی، انگلستان اور اٹلی کی یونیورسٹیوں کے اساتذہ کے مقاصد خاص ہیں جن کو عالمانہ تحقیق اور احقاقی حق کے ظاہری طلسم میں چھپایا جاتا ہے۔ ان حالات میں آپ کے بلند مقاصد پر نظر رکھتے ہوئے بلا تامل کہہ سکتا ہوں کہ آپ کے لئے یورپ جانا بے سود ہے۔

میر کیا سادہ ہیں بیمار ہوئے جس کے سبب

اسی عطار کے لڑکے سے دوا لیتے ہیں

مصر جائیے۔ عربی زبان میں مہارت پیدا کیجئے۔ اسلامی علوم، اسلام کی دینی اور سیاسی تاریخ تھوٹے فقہ، تفسیر کا بغور مطالعہ کر کے محمد عربی کی اصل روح تک پہنچنے کی کوشش کیجئے پھر اگر ذہن خدا داد ہے اور دل میں خدمت اسلام کی تڑپ ہے تو آپ اس تحریک کی بنیاد رکھ سکیں گے جو اس وقت آپ کے ذہن میں ہے“

ایک اور جگہ علامہ کہتے ہیں۔

”اس میں شک نہیں کہ یورپ میں رسائل ایڈٹ کرنے کے بہت زیادہ ہیں لیکن آخر سہری مسلمانوں کو بھی تو یہ کام کچھ نہ کچھ شروع کرنا ہے“

اس میں شک نہیں کہ مغرب میں ان مستشرقین نے اسلامی علوم پر کتب و رسائل اور مخطوطات کا ایک وسیع ذخیرہ فراہم کیا ہے۔ مخطوطات کو ایڈٹ کیا ہے اور طلبہ تک پہنچایا ہے۔ حوالے کی قیمتی کتب مرتب کی ہیں یہ بھی درست سہی کہ یورپ اور امریکہ کی یونیورسٹیاں اور تحقیقات اسلامیہ کے مختلف ادارے اہل علم کو جو سہولتیں ہم پہنچاتے ہیں وہ خاصی دل خوش کن ہیں لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان کے اصل مقاصد کیا ہیں۔ حقائق کا بغور مطالعہ کیا جلتے تو یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ یہ تمام ادارے اور ان کا علمی سرمایہ اسلام اور اہل اسلام کی تیز خواہی کے پیش نظر وجود میں نہیں لایا گیا۔ یہی وجہ تھی کہ اقبال کو یہ مشورہ دینا پڑا کہ وہ مغرب کا رخ کرنے کی بجائے مصر جا کر عربی سیکھیں اور اسلام کی روح تک پہنچنے کی کوشش کریں۔

احسانہ شیشہ گران فرنگ کے احسان

سفال مند سے مینا و جام پیدا کر

اقبال کا مسکھنا اور اسی کے پیش نظر انہوں نے عملی طور پر اس بات کی کوشش کی وہ تبرصیغ میں مسلمانوں کی رہنمائی اور تمدن اسلام کے احیاء کا کام کرنے والی ایک جماعت پیدا کریں۔ وہ ایسے علماء تیار کرنے کے لئے کوشاں تھے جو عصر حاضر کے مسائل سے بھی پوری طرح آگاہ ہوں اور اسلام کی روشنی میں انہیں حل کرنے کے لئے جہد و جہاد کریں۔ شیخ الازہر کے نام ان کا مکتوب بھی مضمون لئے ہوئے ہے۔ وہ اس جماعت کی تربیت کے لئے تمام تر سہولتیں فراہم کرنا چاہتے ہیں وہ لکھتے ہیں۔

”ہم ان کے لئے ایک لائبریری قائم کرنا چاہتے ہیں۔ جن میں ہر قسم کی نئی اور پرانی کتابیں موجود ہوں اور ان کی رہنمائی کے لئے ہم ایک ایسا معلم جو کامل اور صالح ہو اور قرآن حکیم میں بصارت تامہ رکھتا ہو اور نیز انقلاب دور حاضر سے بھی واقف ہو مقرر کرنا چاہتے ہیں۔ تاکہ وہ ان کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح سے واقف کرے اور تفکر اسلامی کی تجدید یعنی فلسفہ حکمت اقتصادیات اور سیاسیات کے علوم میں ان کی مدد کرے تاکہ وہ اپنے علم اور تحریروں کے ذریعے تمدن اسلامی کے دوبارہ زندہ کرنے میں جہاد کر سکیں۔“

علامہ کی کوششوں کے نتیجے میں دارالاسلام کا قیام عمل میں آ گیا تھا۔ افسوس کہ یہ علاقہ (پٹھانکوٹ) پاکستان میں شامل نہ ہو سکا اور اس طرح قیمتی ادارہ پاکستان میں نہ آسکا۔ علامہ علیگر ٹھہر میں علوم اسلامیہ کی سکیم سے بھی بے حد دلچسپی رکھتے تھے۔ علامہ نے صاحبزادہ آفتاب احمد خان کے نام ایک خط میں جس کی حیثیت ایک نوٹ کی سی ہے۔ علوم اسلامیہ سے متعلق ایک سکیم پر مفصل بحث کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

”آج ضرورت ہے کہ دماغی اور ذہنی کاوش کی ایک نئی وادی کی طرف مہینہ کیا جائے اور ایک نئی دینیات اور علم کلام کی تعمیر و تشکیل میں اس کو برسر کار لایا جائے۔ ظاہر ہے کہ یہ کام انہیں لوگوں کے ہاتھ انجام پاسکتا ہے جن میں اس کام کی صلاحیت ہے مگر ایسے آدمی کس طور پر پیدا کیے جائیں؟“

اس نوٹ میں مردانہ کاری تیار کی کے لئے مختلف تجاویز کا جائزہ لیا گیا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اقبال صرف نظری اعتبار ہی سے تحقیقات اسلامیہ کی ضرورت کے قائل نہ تھے بلکہ عملی طور پر بھی اس مقصدِ عظیم کے لئے مسلسل کوشاں تھے۔ خود انہیں فقہ و تفسیر سے متعلق ذہن میں پیدا شدہ

خیالات کی ترتیب اور مختلف مسائل کی توضیح کے لئے کسی مناسب شخص کی تلاش تھی جو ان کے مددگار کی حیثیت سے کام کر سکتا۔ اسی مقصد کے لئے انہوں نے کئی اصحاب کو لکھا۔ مولوی احمد رضا، بجنوری صاحب کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:-

”کیا آپ کسی ایسے بزرگ کا نام تجویز فرما سکتے ہیں جس کی نظر فقہ اسلام اور اصول فقہ و تفسیر پر وسیع ہو اور جو شاہ ولی اللہ کے فلسفے اور ان کی کتابوں پر پوری بصیرت رکھتا ہو۔ اگر کوئی ایسے بزرگ مل جائیں تو میں ان کو اپنی کتابوں کے سلسلے میں کچھ مدت کے لئے اپنے پاس رکھوں گا اور اس مدد کا جو مجھے ان سے ملے گی مناسب معاوضہ دوں گا“ ۱۹

یہ خط ۱۹۳۶ء کے اواخر کا تحریر کردہ ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ اسی کتاب کے سلسلے میں لکھوایا گیا تھا جس کا ذکر پہلے درج کیا جا چکا ہے۔ کاش کہ اقبال کی زندگی و فاکر تھی اور انہیں مناسب معاون مل جاتے جو ان کی مدد کر سکتے۔

علامہ جہاں ہندوستان میں تحقیقات اسلام کے سلسلے میں جدوجہد کر رہے تھے وہاں انہوں نے دیگر اسلامی ممالک کو بھی اس کام کی طرف توجہ دلائی۔ پروفیسر خالد خلیل (اسٹینولی یونیورسٹی) کے نام ایک خط کے آخر میں (جو اسلامی علم الانساب سے متعلق تھا اور جس میں ایک کام کو مستقلاً انجام دینے کے لئے ایک وسیع منصوبہ پیش کیا گیا تھا) یہ لکھتے ہیں:-

”آخر میں ایک نہایت اہم تجویز پیش کرنا چاہتا ہوں کہ اس کا تعلق اس خط کے مضمون سے نہیں ہے۔ ادارہ دینیات کو چاہئے کہ دینیات کی ایک پروفیسر شپ قائم کرے جس پر کسی ایسے شخص کو متعین کیا جائے جس نے اسلامی دینیات اور جدید یورپین فکر و تصور کا مطالعہ کیا ہو تاکہ وہ مسلم دینیات کو ان کا جدید کا ہمدوش بنا سکے۔ قدیم اسلامی دینیات کے (جس کا مآخذ زیادہ تر یونانی حکمت و فکر تھا) تار و پود بکھر چکے ہیں اب وقت آچکا ہے کہ اسی کی شیرازہ بندی کی جائے۔ ترکی کو چاہئے کہ جس طور پر وہ اور معاملات میں پیش قدمی کر رہا ہے اس معاملہ میں بھی پیش قدمی کرے۔ یورپ نے عقل والہ نام کو ہم آہنگ بنانا ہم سے سیکھا ہے۔ وہ اپنے دینیات کو موجودہ فلسفہ کی روشنی میں از سر نو تعمیر کرنے میں ہم سے بہت آگے نکل گیا ہے۔ اسلام کہ عیسائیت سے کہیں زیادہ سادہ اور عقلی مذہب ہے۔ اس شعبہ میں کیوں بے حس و حرکت رہے۔ ادارہ دینیات کو ایک جدید علم کلام کی طرح ڈالنی چاہئے اور

ترکی کی نوخیز نسل کو یورپ کی لامذہبیت سے محفوظ و معصوم کر لینا چاہیے۔ مذہب قوم میں ایک متوازن سیرت پیدا کرتا ہے جو حیاتِ ملی کے مختلف پہلوؤں کے لئے ہمیشہ قیمتِ سرمایہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ بحیثیتِ مجموعی یورپ نے اپنے باشندوں کی تعلیم و تربیت ہی سے مذہب کا عنصر حذف کر دیا ہے اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اس کی بے لگام انسانیت کا کیا حشر ہو گا۔ شاید ایک نئی جنگ کی صورت میں وہ اپنی ہلاکت کا باعث خود ہو۔ ۲۲

ایک جدید علمِ کلام کی طرح ڈالنے کی ضرورت کا احساس علامہ کو ہمیشہ سے رہا۔ انہیں علماء کی قدامت پرستی سے شکایت تھی کیونکہ اس طرح اجتہاد اور فکرِ اسلامی کی تجدید نو کی طرف سے بے توجہی کا رویہ پیدا ہو چکا تھا وہ لکھتے ہیں۔

”افسوس کہ زمانہٴ حال کے اسلامی فقہا یا تو زمانہ کے میلانِ طبیعت سے بالکل بے خبر ہیں یا قدامت پرستی میں مبتلا ہیں۔۔۔۔۔ ہندوستان میں عام حنفی اس بات کے قائل ہیں کہ اجتہاد کے تمام دروازے بند ہیں۔۔۔۔۔ میری رائے ناقص میں مذہبِ اسلام کو یا زمانے کی کسوٹی پر کسا جا رہا ہے اور شاید تاریخِ اسلام میں ایسا وقت اس سے پہلے کبھی نہیں آیا۔“ ۲۳

انہیں اس بات کا بھی احساس تھا کہ یہ صورتِ حال اس لئے پیدا ہوئی کہ نظامِ تعلیم کی اساس بدل گئی۔ اسلامی مسائل پر سوچ بچار اور تحقیق و فہم کے لئے جس تعلیم کی ضرورت تھی وہ مفقود ہو گئی۔ وہ لکھتے ہیں:-

”مذہبی مسائل بالخصوص اسلامی مذہبی مسائل کے فہم کے لئے ایک خاص تربیت کی ضرورت ہے افسوس کہ مسلمانوں کی نئی پود اس سے بالکل کوری ہے۔ جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے تعلیم کا تمام تر غیر درستی ہو جانا اس مصیبت کا باعث ہوا ہے“ ۲۴۔

ایک اور جگہ اسی چیز کا افسوس کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

”ہندی مسلمانوں کی بڑی بد بختی یہ ہے کہ اس ملک سے عربی زبان کا علم اٹھ گیا ہے اور قرآن کی تفسیریں محاورہٴ عرب سے بالکل کام نہیں لیا جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ اس ملک میں قناعت و توکل کے وہ معنی لئے جاتے ہیں جو عربی زبان میں ہرگز نہیں۔۔۔۔۔ اسی طرح ان لوگوں نے بڑی بے دردی سے قرآن اور اسلام میں ہندی اور یونانی تخیلات داخل کر دیئے ہیں۔“ ۲۵

وہ تقابلی نظام کے اس مہیب فلاں کو جو انگریزوں کی سازش کی وجہ سے پیدا ہو گیا تھا پورا کرنے کے لئے دینی ذہن رکھنے والے اصحاب کو طلبہ سے میل جول بڑھانے اور ان کو اسلام کی اساس کے بارے میں بتانے کے لئے توجہ دلاتے تھے۔ مولانا عبدالمجید دریا آبادی کے نام (جن کا حال ہمیں انتقال ہوا ہے) ایک خط میں لکھتے ہیں:-

”آپ علیگڑھ جا کر مذہبی مضامین پر طلبہ سے گفتگو نہیں کیا کریں تو نتائج بہت اچھے ہوں گے۔ باوجود بہت سی مخالف قوتوں کے جو ہندوستان میں مذہب کے خلاف (اور بالخصوص اسلام کے خلاف) اس وقت عمل کر رہی ہیں۔ مسلمان نوجوانوں کے دل میں اسلام کے لئے تڑپ ہے۔ لیکن افسوس کوئی آگہی ہم میں نہیں کہ اس کی زندگی قلوب پر مؤثر ہو..... اسلام کے لئے اس ملک میں نازک وقت آ رہا ہے۔ جن لوگوں کو کچھ احساس ہے ان کا فرض ہے کہ اس کی حفاظت کے لئے ہر ممکن کوشش اس ملک میں کریں۔ علامہ خود خرابی صحت کے باوجود کسی ایک نوجوان محقق کے کام آنے کے لئے تیار تھے جو حقیقتاً اسلامیہ پر کام کرنا چاہتا ہو لکھتے ہیں:

”خرابی صحت کی اس حالت میں بھی کسی حد تک ایک نوجوان محقق کے کام آسکتا ہوں اور ان مسائل کی تفہیم میں اس کی مدد بھی کر سکتا ہوں جنہوں نے ہمارے آباء کے دلوں کے اندر دلولہ پیدا کیا تھا تاہم یہ ضروری ہے کہ ایسا عالم عربی میں اچھی قدرت رکھتا ہو اور مجرمین کے پٹنگ کے پاس بیٹھے کے لئے کچھ وقت بھی نکال سکے۔“

علامہ کا سید سلیمان ندوی سے جو گہرا تعلق ہے اس کا اظہار ان کے خطوط سے ہوتا ہے جو انہوں نے سید صاحب کے نام لکھے۔ علامہ ان سے ہمیشہ رہنمائی کے طالب ہوتے۔ ۱۹۳۴ء میں سید صاحب کے نام خط میں لکھتے ہیں:-

”دنیا عجیب کشمکش میں ہے۔ جمہوریت فنا ہو رہی ہے اور اس کی جگہ ڈیکٹیٹر شپ قائم ہو رہی ہے۔ جرمنی میں مادی قوت کی پرستش کی تعلیم دی جا رہی ہے۔ سرمایہ دار کے خلاف ایک جہاد عظیم ہو رہا ہے تہذیب و تمدن (بالخصوص یورپ) بھی حالت نزع میں ہے۔ غرض کہ نظام عالم ایک نئی تشکیل کا محتاج ہے۔ ان حالات میں آپ کے خیال میں اسلام اس جدید تشکیل کا کہاں تک مدد ہو سکتا ہے

اس بحث پر اپنے خیالات سے مستفیض فرمائیے۔ اگر کوئی کتابیں ایسی ہوں جن کا مطالعہ اس ضمن میں مفید ہو تو ان کے ناموں سے آگاہ فرمائیے“ ۲۶

ان سب خطوط سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اقبال تحقیقات اسلامیہ کے سلسلے میں ایک اضطراب رکھتے تھے۔ ان کی مسلسل سوچ اور اضطراب جس کا اظہار انہوں نے خود ان اشعار میں کیا ہے۔

اک اضطراب مسلسل غیاب ہو کہ حضور
میں خود کہوں تو مری داستان دراز نہیں ۲۷
اسی کشمکش میں گذری مری زندگی کی راتیں
بہمی سوز ساز روئی کبھی بیچ و تاب رازی ۲۸

ان کے اس اضطراب مسلسل کی داستان ان کے اشعار ان کے خطوط اور زندگی کے مختلف واقعات میں بکھری ہوئی ہے۔ ان کے مطالعہ سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ اقبال تحقیقات اسلامیہ کو احيائے اسلام کی تحریک کا اہم جزو سمجھتے تھے۔ وہ اسلام کی بنیادوں پر ایک جدید علم کلام کی عمارت قائم کرنے کے لئے مردان کار کی جستجو میں رہتے۔ اور خود بھی اس کام کو اپنی زندگی کی مہمات میں سے سمجھتے تھے۔ خود اقبال نے مختلف موضوعات پر تحقیق کے لئے جگہ جگہ اشارات چھوڑے ہیں ضرورت اس بات کی ہے کہ تحقیقات اسلامیہ کے جس مہتمم بالشان کام کو اقبال خود کرنا اور کروانا چاہتے تھے، اس کی طرف خاطر خواہ توجہ دی جائے اور اقبالیات کے طالب علم محض ان کے اشعار کی داد دینے کی بجائے اس اہم کام کی طرف توجہ کریں۔

حواشی

۱۔ کلیات اقبال، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۷۳ء، ص ۳۹۶

۲۔ علامہ اقبال، ضرب کلیم، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۵۵ء، ص ۱۶۳

۳۔ کلیات اقبال، ص ۱۰

۴۔ ایضاً ص ۵۳۸

۵۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ علامہ اقبال کے افکار پر یعنی دائرۃ المعارف تیار ہو۔ اس میں اقبال

کی دلچسپی کے تمام موضوعات پر بھی اعلیٰ درجے کے مقالے لکھوائے جائیں اور یہ کم از کم دس جلدوں

پر محیط ہو۔

۶۔ کلیات اقبال - ص ۱۶۸

۷۔ مکتوب بنام راس معبود، ۲۶ اپریل ۱۹۳۵ء در اقبال نامہ مرتبہ شیخ عطاء اللہ، شیخ محمد شرف،

لاہور، تاریخ ندارد۔ حصہ اول، ص ۳۵۷-۳۵۸

۸۔ ان نوٹس کا ترجمہ اور ضروری حواشی پروفیسر رحیم بخش شاہین کے قلم سے دو ماہ ہی مجلہ اسلامی تعلیم

لاہور کے اقبال نمبر مارچ تا جون ۷۴ء شائع ہو چکے ہیں۔

۹۔ اقبال نامہ حصہ اول ص ۴۷۳-۴۷۴

۱۰۔ ملاحظہ ہو سپر انٹانٹان از سید سلیمان ندوی، نفیس اکیڈمی، حیدرآباد دکن، ۱۹۴۵ء صفحات

۲۰۴ اور سیاحت اقبال از سنی نواز، کتاب مرکز، لائپور، ۱۹۷۶ء ص ۲۰۳ تا ۲۵۱

۱۱۔ اقبال نامہ حصہ اول ص ۷۱

۱۲۔ مکتوب بنام سید سلیمان ندوی ۱۸ مارچ ۱۹۲۶ء، ایضاً ص ۱۴۲-۱۴۵

۱۳۔ مکتوب بنام سید سلیمان ندوی، اپریل ۱۹۲۶ء ایضاً ص ۱۳۸

۱۴۔ ایضاً ص ۳۹۸-۳۹۹

۱۵۔ خطوط اقبال مرتبہ رفیع الدین ہاشمی، مکتبہ خیابان ادب لاہور، ۱۹۷۶ء ص ۶۶

- ۱۶ - علامہ اقبال، بال جبریل، شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۳۷ء، ص ۱۹۸
- ۱۷ - اقبال نامہ حصہ اول، ص ۲۵۱ - ۲۵۲
- ۱۸ - ایضاً حصہ دوم، ۲۱۷
- ۱۹ - ایضاً ص ۲۴۱ - ۲۴۲
- ۲۰ - ایضاً ص ۲۸۲
- ۲۱ - ایضاً ص ۶۳
- ۲۲ - ایضاً حصہ اول ص ۲۵۹
- ۲۳ - بنام سراج الدین پال، ۱۹ جولائی ۱۹۱۷ء، ایضاً ص ۴۱
- ۲۴ - بنام مولانا عبدالماجد دریا آبادی، ایضاً ص ۲۳۹
- ۲۵ - خطوط اقبال مرتبہ رفیع الدین ہاشمی، ص ۲۹۵
- ۲۶ - اقبال نامہ حصہ اول ص ۱۸۱
- ۲۷ - بال جبریل ص ۵۹
- ۲۸ - ایضاً ص ۲۷
